سورۃ التوبۃ کے ابتدائی حصے کا زمانۂ نزول اور تاریخی پس منظر: تحقیقِ مزید

محمد مشتاق احمد ۞

سورۃ التوبۃ کے ابتدائی حصے کے زمانۂ نزول اور تاریخی پس منظر کے متعلق راقم کی تحقیق **فکر و نظر** کے جولائی تا ستمبر ۲۰۱۵ء کے شمارے (۵۳: ۱) میں شائع ہوئی [۱] جس پر بعض اہل علم نے اپنی تنقیدی آرا سے نوازا۔ بعض نے یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ شانِ نزول اور تاریخی پس منظر کی اس بحث سے قرآن کریم کی آیات کی ترتیب نزولی کی اہمیت کا تاثر ملتا ہے، جب کہ بعض دیگر اہلِ علم نے سورت کے زمانۂ نزول کی تعیین میں داخلی اور خارجی شہادتوں کے تعلق پر سوال اٹھایا ہے، زیر نظر مقالے کی پہلی دو فصول میں ان تنقیدی آرا میں اٹھائے گئے نکات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جارہا ہے، جب کہ دوسرے حصے میں ان آیات کے زمانۂ نزول کے متعلق مزید تحقیق پیش کی جارہی ہے۔ امید ہے کہ اس سے ان آیات کی تاویل میں مدد ملے گی۔

تنقیح مباحث اور سہولت تفہیم کے لیے یہ بحث پانچ فصلوں میں تقسیم کی گئی ہے:

فصل اول

سورتوں کی داخلی شہادتوں اور شانِ نزول کی روایات کے درمیان تعارض

چوں کہ قرآن کریم کی آیات کا نزول مختلف مواقع پر ہوا ہے اور پھر یہ آیات مختلف سورتوں کے اندر مخصوص مقامات پر رکھی گئی ہیں، اس لیے ایک جانب شانِ نزول کی روایات ہوتی ہیں اور دوسری جانب مخصوص سورت میں ان آیات کا خاص سیاق و سباق ہوتا ہے جن میں بعض اوقات تطبیق نہایت مشکل ہو جاتی ہے۔ یہاں اصولی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیات جس مخصوص پس منظر اور ماحول میں نازل ہوئیں ان کا تعین سورت کے

۞ ایسوسی ایٹ پروفیسر، صدر شعبۂ قانون، فیکلٹی آف شریعہ اینڈ لا، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد
(mushtaqahmad@iiu.edu.pk)

۱۔ محمد مشتاق احمد، "سورۃ التوبۃ کے ابتدائی حصے کا زمانۂ نزول اور تاریخی پس منظر: داخلی و خارجی شہادتوں کی روشنی میں تحقیقی تجزیہ"، سہ ماہی **فکر و نظر**، ۵۳: ۱ (۲۰۱۵ء)، ص ۹-۴۹۔

مجموعی ماحول اور آیات کے مخصوص سیاق وسباق سے کیا جائے گا یا شانِ نزول کی روایات سے؟ بعض اہلِ علم نے سورتوں کے زمانۂ نزول اور تاریخی پس منظر کے تعین کے لیے سورت کی داخلی اور خارجی شہادتوں کے تعلق پر سوال اٹھایا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جہاد کے مربوط اور جامع نظریے کی تشکیل میں دیگر امور کے علاوہ ایک اہم امر یہ ہے کہ سورۃ التوبۃ کی آیات کے شانِ نزول کے متعلق روایات اور اس سورت میں آیات کے نظم کے درمیان تعلق کی صحیح نوعیت واضح ہو جائے۔

تاریخی پس منظر کے تعین میں بعض اوقات سورت کی اندرونی شہادتوں اور خارجی روایات میں تعارض کی صورت پیدا ہو جاتی ہے، چناں چہ کبھی اندرونی شہادت یہ ہوتی ہے کہ آیات کا نزول مکہ میں ہوا تھا، لیکن شانِ نزول کی روایت میں مدنی دور کا واقعہ ذکر ہوتا ہے اور بعض اوقات اس کے برعکس ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات سورت کے نظم کی گواہی یہ ہوتی ہے کہ پوری سورت بیک وقت نازل ہوئی، مگر روایات میں بعض آیات کا الگ الگ شان نزول ذکر ہوتا ہے۔ کبھی ایک ہی سورت کے متعلق شانِ نزول کی بہت سی روایات مل جاتی ہیں اور بعض اوقات تو ایک ہی آیت کے کئی اسباب نزول ذکر کیے جاتے ہیں۔ اس قسم کی الجھنوں کے حل کے لیے شاہ ولی اللہ دہلوی (م۱۷۰۷ء) نے جو تحقیق اپنے رسالے **الفوز الكبير في أصول التفسير** میں پیش کی ہے اس کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

> صحابہ کرام اور دیگر متقدمین علماجب نزلت في كذا اور اس قسم کی دیگر تراکیب استعمال کرتے تھے، تو ان کا یہ مطلب نہیں ہوتا تھا کہ بعینہ وہی واقعہ اس آیت کے نزول کا سبب بنا، جو اس روایت میں بیان ہوا، بلکہ بعض اوقات ان کی مراد یہ ہوتی تھی کہ عہد نبوی یا اس کے بعد کا یہ واقعہ بھی اس آیت کا مصداق ہے۔ کبھی صحابہ کوئی سوال کرتے اور رسول اللہ ﷺ پہلے ہی سے نازل شدہ کسی آیت سے اس کا حکم مستنبط کر کے بیان فرمادیتے۔ رسول اللہ ﷺ کا استنباط بھی دراصل وحی، القا اور نفث فی الروع کی قسم ہوتی، اس لیے اس طرح کے موقع پر فأنزل الله تعالى قوله کے الفاظ کا استعمال جائز ہوتا۔ کبھی صحابۂ کرام کے باہمی مباحثوں میں آیات سے استشہاد ہوتا یا بطور تمثیل ان کا ذکر ہوتا۔ اس قسم کی روایات کو بھی مفسرین اسباب نزول میں ذکر کرتے ہیں۔ اسی طرح صحابۂ کرام یہود، نصاریٰ، مشرکین اور دوسرے فرق ضالہ کی اعتقادی اور عملی برائیاں بیان کر کے کسی آیت کی تلاوت کرتے اور کہتے کہ نزلت في كذا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا تھا کہ بعینہ یہی اعمال وعقائد ان آیات کے نزول کا سبب بنے، بلکہ ان کی مراد یہ ہوتی تھی کہ اسی قسم کے عقائد و اعمال کے متعلق یہ آیات نازل ہوئی ہیں؛ بہ الفاظ دیگر یہ آیات ان عقائد اور اعمال پر بھی منطبق ہوتی ہیں۔ اسی طرح کبھی قرآن مجید میں اچھے اور برے لوگوں کی صفات بیان کی جاتی ہیں۔ ان صفات کا کسی خاص شخص یا اشخاص سے مخصوص کرنا

ضروری نہیں ہوتا، بلکہ عام طور پر جن میں بھی وہ صفات ہوں، وہ ان آیات کے مصداق شمار ہوں گے۔ فی الجملہ مفسر کے لیے دو چیزوں کی معرفت ضروری ہے: ایک وہ واقعات جن کی طرف آیات میں اشارہ ہو کیوں کہ ان کے علم کے بغیر آیات کے ایما کو سمجھنا ممکن نہیں ہوتا۔ دوسرے وہ واقعات جن سے عام کی تخصیص ہوتی ہو یا اور کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہو۔ اس مؤخر الذکر اصول کو شاہ ولی اللہ علم توجیہ اور تاویل سے متعلق کر دیتے ہیں۔ [۲]

شاہ صاحب کی رائے کوئی انوکھی یا منفرد رائے نہیں ہے، بلکہ یہی رائے دیگر محققین علما نے بھی اختیار کی ہے۔ [۳] اس اصولی تحقیق کو ماننے کے باوجود مفسرین بالعموم شان نزول کی روایات کو ان کے ظاہری مفہوم کے ساتھ قبول کر کے انھیں سورت کی اندرونی شہادتوں پر فوقیت دیتے نظر آتے ہیں۔ مثلاً یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بعض سورتوں کا نزول ٹکڑوں میں ہوا۔ یہ بھی مسلم ہے کہ بعض سورتوں کے چند ٹکڑے ہجرت سے قبل اور چند ٹکڑے ہجرت کے بعد نازل ہوئے۔ تاہم اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان ٹکڑوں کی پہچان کے لیے سورت کے اندر کوئی نشانی نہیں پائی جاتی، نیز ان دونوں حقائق کے ساتھ ساتھ ایک تیسری حقیقت بھی مسلم ہے کہ بہت سی سورتوں کا نزول یک بارگی ہوا ہے۔ پس کسی سورت کی مختلف آیات کے متعلق محض یہ کہنا کافی نہیں ہوگا کہ چوں کہ بعض سورتیں ٹکڑوں میں نازل ہوئی ہیں، اس لیے یہ بھی ٹکڑوں میں نازل ہوئی ہوگی، کیوں کہ اس کے جواب میں بالکل برابر کی سطح پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ چوں کہ بعض سورتیں پوری کی پوری بیک وقت نازل ہوئی ہیں، اس لیے یہ سورت بھی یک بارگی ہی نازل ہوئی ہوگی۔ گویا ہر سورت کے متعلق الگ سے تحقیق کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ پوری کی پوری یک بارگی نازل ہوئی یا اس کا نزول ٹکڑوں میں ہوا، اور اگر ٹکڑوں میں ہوا تو وہ ٹکڑے کب نازل ہوئے؟ اس سلسلے میں شان نزول کی روایات سے یقیناً مدد لی جا سکتی ہے، لیکن کیا سورت کی اندرونی شہادتوں، مثلاً سورت کے نظم

۲- شاہ ولی اللہ دہلوی، **الفوز الکبیر في أصول التفسیر**، تعریب، سلمان الحسینی الندوی، (قاہرہ: دار الصحوۃ، ۱۹۸۶ء)، ۹۳- ۱۰۵۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: **الخیر الکثیر شرح الفوز الکبیر**، تعریب، مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری، شرح، مولانا مفتی محمد امین بن یوسف پالن پوری (لاہور: المصباح، س ن)، ۲۷۶- ۳۰۵۔

۳- تفصیل کے لیے دیکھیے: بدر الدین محمد بن عبد اللہ الزرکشی، **البرهان في علوم القرآن** (بیروت: دار الفکر، ۱۹۸۸ء)، ۱: ۵۴- ۶۰۔ نیز دیکھیے: احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیۃ الحرانی، **مقدمة في علوم التفسیر** تحقیق: عدنان زرزور، ۴۰- ۴۷۔

اور آیات کے سلسلۂ بیان کی بھی اس ضمن میں کچھ اہمیت ہے؟[۴] اگر شان نزول کی روایت اور سورت کی اندرونی شہادت متصادم ہوں تو پھر ترجیح کسے دی جائے گی؟ کیا سورت کی اندرونی شہادتوں پر اعتماد کرتے ہوئے شان نزول کی روایت کی اسی طرح تاویل کی جائے گی جس طرح شاہ ولی اللہ اور دیگر محققین نے کی ہے؟ یا شان نزول کی روایت کو قبول کرتے ہوئے سورت کی اندرونی شہادت کو نظر انداز کیا جائے گا، یا اس کی تاویل کی جائے گی؟[۵] یہی وہ بنیادی مسئلہ ہے جس پر اختلاف کی وجہ سے بہت سے ذیلی مسائل پر اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ پچھلے مقالے اور زیر نظر مقالے میں ہم نے کوشش کی ہے کہ سورۃ التوبۃ کی آیات کے زمانۂ نزول کی تعیین میں داخلی شہادتوں کا تجزیہ کیا جائے اور خارجی شہادتوں کے ساتھ ان کے تعلق کی صحیح نوعیت واضح کی جائے۔ ہمارے نزدیک صرف اسی طرح سورۃ التوبہ کی ان آیات کا مخصوص پس منظر سمجھ آسکتا ہے۔

فصلِ دوم

ترتیبِ نزولی یا شانِ نزول؟

بعض لوگوں نے پچھلے مقالے سے یہ تاثر لیا ہے، جو بالکل غلط ہے، کہ ہم مصحف کی موجودہ ترتیب پر ترتیبِ نزولی کو کسی طرح فوقیت دیتے ہیں۔ مسلمان اہلِ علم کے اس عمومی موقف کو ہم عینِ صواب سمجھتے ہیں کہ

۴۔ اس الجھن کی وجہ سے بسام طیبی کو، جو جارج آگسٹ یونی ورسٹی گوٹنگٹن میں بین الاقوامی تعلقات کے پروفیسر ہیں، کہنا پڑا کہ قرآن کے احکام میں تناقص نظر آتا ہے۔ دیکھیے:

Bassam Tibi, "War and Peace in Islam," in Sohail H. Hashmi, ed., *Islamic Political Ethics: Civil Society, Pluralism and Conflict* (Princeton: Princeton University Press, 2002), 176.

۵۔ قرآنی آیات کے مختلف ٹکڑوں کو الگ الگ دیکھنے کے طریق کار پر شدید تنقید کرتے ہوئے روئین فائر اسٹون، جو عبرانی یونین کالج لاس اینجلس میں قرون وسطی کے یہودی اور اسلامی علوم کے پروفیسر ہیں، قرار دیتے ہیں کہ ان تمام آیات کو مجموعی طور دیکھ کر ہی صحیح رائے قائم کی جاسکتی ہے۔

Reuven Firestone, *Jihad: The Origins of Holy War in Islam* (New York: Oxford University Press, 1999), 47-65

انھوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ امن کی تاکید صرف مکی سورتوں میں ہی نہیں ملتی، بلکہ یہی پیغام مدنی سورتوں کا بھی ہے۔ (نفس مرجع، ۶۷– ۹۷) تاہم پروفیسر فائر اسٹون نے آیات کے زمانۂ نزول کی تعیین میں بالعموم انحصار صرف شانِ نزول کی روایات اور نسخ کے مباحث پر کیا ہے اور سورتوں کے اندرونی شواہد کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی۔

ترتیبِ نزولی کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور یہ کہ آیات و سور کی حکیمانہ ترتیب وہی ہے جو مصحف میں ہے۔ ترتیبِ نزولی کی عدم اہمیت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس ترتیب کے متعلق کوئی راہ نمائی نہیں دی، نہ ہی اس کا علم ان کے لیے ضروری سمجھا۔ امام بدر الدین محمد بن عبد اللہ الزرکشی (م ۷۹۴ھ) نے اپنی تصویب کے ساتھ قاضی ابو بکر کا یہ تبصرہ نقل کیا ہے:

لم يكن من النبي ﷺ في ذلک قول، و لا ورد عنه أنه قال: اعلموا أن قدر ما نزل بمكة كذا، و بالمدينة كذا ، و فصله لهم. ولو كان ذلک منه، لظهر و انتشر. و إنما لم يفعله لأنه لم يؤمر به، ولم يجعل الله علم ذلک من فرائض الأمة. و إن وجب في بعضه على أهل العلم معرفة تاريخ الناسخ و المنسوخ ليعرف الحكم الذي تضمنها، فقد يعرف ذلک بغير نص الرسول بعينه و قوله: هذا هو الأول المكي، و هذا هو الآخر المدني.[۲]

نبی ﷺ سے اس معاملے میں کوئی قول نقل نہیں کیا گیا، نہ ہی ایسی کوئی روایت ہے کہ آپ نے کبھی یہ فرمایا ہو کہ: جان لو کہ مکہ میں نازل ہونے والی آیات کی تعداد اتنی ہے اور مدینہ میں نازل ہونے والی آیات کی تعداد یہ ہے؛ یا آپ نے کبھی انھیں ایک دوسرے سے الگ کیا ہو۔ اگر آپ نے ایسا کیا ہوتا تو یہ بات آشکارا اور پھیل چکی ہوتی۔ آپ نے ایسا اس وجہ سے نہیں کیا کہ آپ کو اس کا حکم نہیں ہوا تھا اور اللہ نے اس بات کے علم کو امت کے فرائض میں شامل نہیں کیا تھا۔ اگر بعض آیات کی ترتیبِ نزولی کا علم اس وجہ سے اہلِ علم پر لازم ہے کہ اس سے ناسخ اور منسوخ کی پہچان ہوتی ہے جس کے

۲۔ الزرکشی، **البرهان في علوم القرآن**، ۱: ۲۴۶۔ امت کے علماے محققین نے بالعموم یہی موقف اپنایا ہے۔ مثال کے طور پر مولانا ابو الاعلی مودودی ایک سائل کے جواب میں کہتے ہیں: "اگر ایک ہی مسئلے میں قرآن میں دو حکم پائے جاتے ہوں تو بعد کا حکم پہلے حکم کا ناسخ مانا جائے گا مگر اس کے لیے سارے قرآن کو تاریخ نزول کے اعتبار سے مرتب کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ موجودہ ترتیب ہی میں مستند روایات کے ذریعے سے ہم کو معلوم ہو سکتا ہے کہ کون سا حکم پہلے نازل ہوا تھا اور کون سا بعد میں آیا۔" (سید ابو الاعلیٰ مودودی، **رسائل و مسائل** (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز)، ۳: ۳۳۔) ؛ جہاں تک بعض ان روایات کا تعلق ہے جو عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، حسن بصری اور مجاہد رحمہم اللہ سے اس ضمن میں مروی ہیں، تو ان کی استنادی حیثیت سے قطعِ نظر، ان سے مولانا گوہر رحمٰن (م ۲۰۰۳ء) کے الفاظ میں "زیادہ سے زیادہ ظن کے درجے میں نزولی ترتیب پر کسی حد تک روشنی پڑتی ہے۔" (گوہر رحمٰن، **علوم القرآن** (مردان: مکتبۂ تفہیم القرآن، ۲۰۰۲ء)، ۱: ۱۸۵۔) پھر اگر ان روایات میں مذکور ترتیب کا تنقیدی جائزہ لیا جائے تو یہ ظن اور بھی کمزور ہو جاتا ہے۔ آگے خود مولانا گوہر رحمان نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب روایت میں مذکور ترتیب، نیز اس کی سند میں مذکور بعض راویوں، پر سخت اعتراضات اٹھائے ہیں اور دیگر روایات کے ساتھ اس کے تعارض کی تفصیل بھی دی ہے۔ (نفسِ مرجع۔ ۱۹۰– ۱۹۵۔)

ذریعے حکم معلوم ہوتا ہے تو اس پہچان کے لیے یہ ضروری نہیں کہ رسول اللہ ﷺ معین طور پر بتادیں کہ یہ پہلی مکی آیت ہے اور یہ آخری مدنی آیت ہے۔

نیز اگر قرآن کے فہم میں ترتیبِ نزولی کی کچھ اہمیت ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اسے ترک کر کے موجودہ ترتیب نہ اپناتے۔ مزید بر آں، ہمارے نزدیک صحیح موقف یہی ہے کہ نہ صرف ہر سورت کے اندر آیات کی موجودہ ترتیب، بلکہ سورتوں کی ترتیب بھی توقیفی، یعنی وحیِ الٰہی پر مبنی ہے۔[٧] اس ترتیب کو نظر انداز کر کے ترتیبِ نزولی کی بنیاد پر قرآن مجید کی آیات و سور مرتب کرنا نہ صرف یہ کہ بہت مشکل، بلکہ غیر مفید بھی

٧۔ امام زرکشی نے سورتوں کی ترتیب کے متعلق تین اقوال نقل کیے ہیں: ایک یہ کہ سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے، دوسرا یہ کہ یہ ترتیب صحابہ کے اجتہاد پر مبنی ہے اور تیسرا یہ کہ بہت سی سورتوں کی ترتیب توقیفی، جب کہ بعض کی اجتہادی ہے۔ (الزرکشی، مصدر سابق، ١: ٣٢٤– ٣٢٥۔) اس کے بعد انھوں نے واضح کیا ہے کہ دوسرے قول کے قائلین بھی یہ بات مانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو اس ضمن میں اشارات دیے تھے اور یوں یہ اختلاف محض نزاع لفظی ہی ہے: فآل الخلاف إلى أنه هل ذلک بتوقیف قولي أم بمجرد استناد فعلي۔ (مصدرِ سابق، ٣٢٥) اسی طرح جنھوں نے یہ قول اختیار کیا ہے کہ بہت سی سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے، نہ کہ سب کی، تو وہ ان روایات سے استدلال کرتے ہیں جن میں بعض سورتوں کے مجموعوں کا ذکر آیا ہے؛ جیسے السبع الطوال، الحوامیم، المفصل۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ روایات میں اور بھی کئی سورتوں کا ذکر آیا ہے؛ جیسے البقرة اور آل عمران کو الزهراوين اور بني إسرائيل، مريم، طه اور الأنبياء کو العتاق الأول کہا گیا؛ اسی طرح روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو سونے سے قبل سورة الإخلاص، سورة الفلق اور سورة الناس کی تلاوت کر کے ہاتھوں پر پھونکتے۔ ایک اور روایت میں ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو تورات کی جگہ السبع الطوال، زبور کی جگہ المئين اور انجیل کی جگہ المثاني دی گئیں، جب کہ المفصل آپ کی خصوصیت ہیں۔ (مصدرِ سابق، ٣٢٥– ٣٢٧) سورتوں کی ترتیب کے توقیفی ہونے کی ایک اہم دلیل یہ روایت ہے کہ ہر رمضان میں رسول اللہ ﷺ اتنے حصے کی تلاوت جبریل امین کے سامنے کرتے جو اس وقت تک نازل ہوا ہوتا اور آخری رمضان میں آپ نے دو مرتبہ اس کی تلاوت کی۔ نیز پچھلی ایک صدی میں مکتبِ فراہی نے "نظمِ قرآن" پر جو تحقیق کی ہے اس کے بعد اس امر میں کسی شبہ کی کوئی گنجایش باقی نہیں رہی کہ یہ ترتیب وحیِ الٰہی پر مبنی اور نہایت حکیمانہ ہے۔ نظمِ قرآن کے اس تصور کی تفصیل کے لیے دیکھیے: محمد مشتاق احمد، "**فراہی مکتبِ فکر اور سیرت نگاری**"، سہ ماہی **فکر و نظر**، ٥٢: ٢ (٢٠١٤)، ٣٩ – ٦١۔

ہے۔[۸] کئی سورتوں کا نزول مختلف ٹکڑوں میں ہوا، اور بعض سورتوں کے بعض ٹکڑے مکہ میں اور بعض مدینہ منورہ میں نازل ہوئے۔ ان ٹکڑوں کا اگر الگ الگ تعین کیا بھی جا سکے تو اس کا بڑا فائدہ کیا ہو سکتا ہے؟ زیادہ سے زیادہ احکام کے نسخ یا بعض مضامین کے تدریجی ارتقا پر روشنی پڑ سکتی ہے اور یہ دونوں باتیں موجودہ ترتیب سے بھی بہ آسانی معلوم ہو سکتی ہیں۔ تاہم اس حقیقت کے ساتھ متوازی ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ آیات و سور کے صحیح فہم کے لیے ضروری ہے کہ اس ماحول کو سمجھا جائے جس میں ان کا نزول ہوا، ان سوالات و اشکالات کو مد نظر رکھا جائے جن سے ان آیات و سور میں تعرض کیا گیا ہے اور ان لوگوں کا صحیح تعین کیا جائے جن سے ان آیات و سور میں خطاب کیا گیا ہے۔ علمِ شانِ نزول کا تعلق انھی امور سے ہے، امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: "و معرفة سبب النزول يعين على فهم الآية، فإن العلم بالسبب يورث العلم بالمسبب."[۹] (سبب نزول کی پہچان آیت کے فہم میں مدد دیتی ہے کیوں کہ سبب کے علم سے مسبب کا علم پیدا ہوتا ہے۔)

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے شان نزول کے متعلق جو کچھ لکھا اور جس کا خلاصہ اوپر ذکر کیا گیا، اس سے بعض لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ شاہ صاحب کے نزدیک شان نزول کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے۔ اس غلط فہمی کے ازالے کے لیے مولانا محمد تقی عثمانی نے شانِ نزول کی روایات اور آیات میں مذکور حکم کے تعلق کو چار نکات میں بیان کیا ہے جن سے زیر نظر مقالے کا مقصد بھی بخوبی واضح ہو جاتا ہے:

اولاً: جن آیات میں کسی مخصوص فرد یا گروہ کا نام لے کر متعین کر دیا گیا ہو کہ آیت کا مضمون اس کے متعلق ہے، ان کا اطلاق اس مخصوص فرد یا گروہ تک ہی محدود ہو گا۔

ثانیاً: جن آیات میں بظاہر کسی مخصوص فرد یا گروہ کے بجاے عام الفاظ میں بات کہی گئی ہو لیکن دیگر دلائل سے معلوم ہوتا ہو کہ وہاں مراد کوئی مخصوص فرد یا گروہ ہی ہے، تو الفاظ کے عموم کے باوجود انھیں اس مخصوص فرد یا گروہ تک ہی محدود سمجھا جائے گا۔

۸- مستشرقین نے اس ضمن میں جو کوششیں کی ہیں، علمی دنیا میں ان کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ انھوں نے اپنے مخصوص تعصبات، نظریات اور مفروضات کی بنیاد پر قرآن مجید کی ترتیب نزولی کے تعین کی جو کوششیں کی ہیں ان پر ایک جامع اور تحقیقی تنقید کے لیے دیکھیے:

Muhammad Mustafa al-Azami, *The History of the Text of the Qur'an from Revelation to Compilation: A Comparative Study with the Old and New Testaments* (Leicester: The UK Islamic Academy, 2003.)

۹- ابن تیمیہ، مقدمة، ۴۷۔

ثالثاً: جو آیات نازل تو کسی خاص واقعے کے سبب ہوئی ہیں لیکن الفاظ عام ہیں اور دیگر دلائل سے بھی ان کا عموم ثابت ہو تا ہو تو انھیں اس مخصوص واقعے تک محدود سمجھنے کے بجاے عام ہی سمجھا جائے گا اور

رابعاً: جو آیات نازل کسی خاص واقعے کے سبب ہوئی ہیں، لیکن الفاظ عام ہیں اور دیگر دلائل سے معلوم نہیں ہو تا کہ وہ عام ہیں یا ان کا اطلاق صرف اس مخصوص واقعے تک محدود ہے، تو ان کے متعلق علما و فقہا کا اختلاف ہے، لیکن جمہور نے یہ اصول طے کیا ہے کہ: العبرة لعموم اللفظ، لا لخصوص السبب. (۱۰)

علامہ حمید الدین فراہی (م ۱۹۳۰ء) کے متبعین کے متعلق عام تاثر یہ ہے کہ وہ شانِ نزول کی روایات کی اہمیت کے قائل نہیں ہیں، لیکن علامہ فراہی کا موقف اصل میں یہ ہے کہ شانِ نزول کے تعین کے لیے سورت کی داخلی شہادتوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور یہ کہ خارجی شہادتوں کی بنیاد پر سورت کے نظم کو نہیں توڑنا چاہیے۔ چناں چہ وہ کہتے ہیں:

> شانِ نزول سے مراد لوگوں کی وہ حالت اور کیفیت ہوتی ہے جس پر وہ کلام بر سر موقع حاوی ہو تا ہے۔ کوئی سورہ ایسی نہیں ہے جس میں کسی خاص امر یا چند خاص امور کو مد نظر رکھے بغیر کلام کیا گیا ہو، اور وہ امر یا امور جو کسی سورہ میں مد نظر ہوتے ہیں اس سورہ کے مرکزی مضمون کے ماتحت ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگر شانِ نزول معلوم کرنا ہو تو اس کو خود سورہ سے معلوم کرو۔ (۱۱)

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ علامہ فراہی کے نزدیک کسی سورت کا شانِ نزول معلوم کرنے کے لیے اس کے مضامین پر غور کرنا چاہیے، مزید فرماتے ہیں:

> پس اگر تم طمانیت اور یقین کے طالب ہو تو شانِ نزول کی پیروی میں سر رشتہ نظم کو ہر گز ہاتھ سے نہ چھوڑنا ورنہ تمھاری مثال صحرا کے اس مسافر کی مانند ہو جائے گی جو اندھیرے میں کسی چوراہے پر پہنچ گیا ہے اور نہیں جانتا کہ اب کدھر جائے۔ شانِ نزول خود قرآن کے اندر سے اخذ کرنا چاہیے، اور احادیث و آثار کے ذخیرے سے صرف وہ روایات لینی چاہییں جو نظمِ قرآن کی تائید کریں، نہ کہ اس کے تمام نظم کو درہم برہم کر دیں۔ (۱۲)

سورۃ التوبۃ کے ابتدائی حصے کے زمانۂ نزول کے متعلق ہم نے جو تحقیق پیش کی ہے اس کا مقصد یہی ہے کہ سورت کی داخلی اور خارجی شہادتوں کے تجزیے کے ذریعے ان آیات کا شانِ نزول متعین کیا جائے تا کہ ان آیات کی

۱۰۔ محمد تقی عثمانی، **علوم القرآن** (کراچی: مکتبۂ دار العلوم، ۱۳۹۶ھ)، ۸۲ – ۸۶۔

۱۱۔ حمید الدین فراہی، **مجموعۂ تفاسیر فراہی**، اردو ترجمہ، امین احسن اصلاحی (لاہور: فاران فاؤنڈیشن، ۱۹۹۸ء)، ۳۵۔

۱۲ – نفسِ مصدر، ۳۶۔

ایسی تاویل ممکن ہو سکے جو ایک جانب سورت کے نظم کے موافق ہو تو دوسری جانب وہ حدیث، سیرت، آثارِ صحابہ، تاریخ، فقہ اور دیگر اسلامی علوم سے بھی ہم آہنگ ہو۔

ان تمہیدی گزارشات کے بعد ان آیات کے زمانۂ نزول کے متعلق مزید امور پر بحث پیش کی جائے گی۔

فصلِ سوم

ٱلْأَشْهُرُ ٱلْحُرُمُ سے مراد

سورۃ التوبۃ کی آیت ۵ میں جن ٱلْأَشْهُرُ ٱلْحُرُمُ کا ذکر ہے، کیا ان سے معروف معنوں میں حرمت کے چار مہینے، یعنی ذو القعدہ، ذو الحجہ، محرم اور رجب، مراد ہیں یا ان سے وہ چار مہینے مراد ہیں جن کی مہلت مشرکین کو آیت ۲ میں دی گئی ہے؟ اس سوال کا صحیح جواب مل جائے تو آیات ۱ تا ۶ کا زمانۂ نزول بھی تقریباً یقین کی حد تک متعین ہو جاتا ہے۔

پہلے اس بات کا جائزہ لیجیے کہ یہ سوال پیدا ہی کیوں ہوا؟ قرآن کریم نے جن دیگر مقامات پر اشہر حرم کا ذکر کیا ہے وہاں بلا نزاع حرمت کے معروف مہینے ہی مراد لیے گئے ہیں۔ پھر یہاں اختلاف کیوں پیدا ہوا؟ اس کی وجہ بہت واضح ہے۔ آیت ۲ میں مشرکین کو چار مہینوں کی مہلت دی گئی: ﴿فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ﴾؛ جب کہ آیت ۵ میں مسلمانوں کو اشہر حرم کے اختتام پر مشرکین کے خلاف حتمی اقدام کا حکم دیا گیا ہے ﴿فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ﴾؛ دوسری طرف بموجب آیت ۳ اعلان حج کے دن کرنا تھا ﴿وَأَذَانٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ﴾ کرنا تھا اور حج کے دن سے محرم کے اختتام تک پچاس دن بنتے ہیں، نہ کہ چار مہینے۔

مولانا اصلاحی کی الجھن

اس الجھن کے حل کے لیے بعض مفسرین نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ ان آیات کا نزول شوال ۹ھ میں ہوا، لیکن حج کے موقع پر ان کا خصوصی اعلان کیا گیا تا کہ ہر خاص و عام تک یہ بات پہنچ جائے۔[١٣] آیت ۵ کی تفسیر

١٣- امام ابو جعفر محمد ابن جریر الطبری نے یہ رائے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور ضحاک سے نقل کی ہے۔ (ابو جعفر محمد بن جریر الطبری، **جامع البيان عن تأويل آي القرآن**، تحقیق محمود محمد شاکر (قاہرہ: مكتبة ابن تيمية، س ن)، ١۴: ٩٨-٩٩۔)

میں مولانا اصلاحی نے جو کچھ کہا ہے اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی ان آیات کا نزول شوال ۹ھ میں مانتے ہیں: "اوپر آیت ۲ میں جو چار ماہ کی مہلت مذکور ہوئی ہے، ان میں تین حرمت والے تھے۔ اگر ان تین حرمت والے مہینوں سے پہلے وقت کے مہینوں میں سے شوال کو ملا دیا جائے تو یہ چار مہینے بن جاتے ہیں۔"[۱۴] تاہم دیگر مقامات پر انھوں نے جو کچھ کہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس معاملے میں کافی الجھن میں تھے۔ سابقہ مقالے میں تفصیل سے ان کا یہ موقف ذکر کیا گیا کہ ان آیات کا نزول نقض معاہدۂ حدیبیہ سے پہلے ہوا تھا۔[۱۵] ان آیات کی تفسیر کے آخر میں خلاصۂ بحث کے طور پر مولانا اصلاحی نے جو کچھ کہا ہے اس سے ان کے موقف کے متعلق الجھن اور بھی شدید ہو جاتی ہے:

اوپر کی آیات سے اس وقت تک کے ان تمام معاہدات کے بارے میں جو آپ ﷺ اور مشرکین کی مختلف پارٹیوں کے درمیان طے پائے تھے، تین باتیں واضح ہوئیں:

۱۔ جن مشرکین نے اپنے معاہدات کی خلاف ورزیاں کی تھیں ان سے اعلان براءت اور چار ماہ کی مہلت کے بعد ان سے جنگ۔

۲۔ جنھوں نے اپنے معاہدات پوری وفاداری سے نباہے تھے اور ان کے معاہدات موقت تھے، اختتامِ مدت کے بعد یہ معاہدات بھی ختم۔

۳۔ معاہدۂ حدیبیہ کو اس وقت تک قائم رکھنے کی ہدایت جب تک قریش اس کو قائم رکھیں۔[۱۶]

مولانا اصلاحی نے آیت ۴ میں إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس گروہ سے مراد قریش ہیں اور یہ معاہدۂ حدیبیہ کی طرف اشارہ ہے۔[۱۷] ہمارے نزدیک ان کی ساری الجھن کی بنیاد یہی امر ہے۔ اگر یہ قریش کے ساتھ معاہدۂ حدیبیہ کی طرف اشارہ ہے اور ان آیات کا نزول نقض معاہدۂ حدیبیہ سے قبل ہوا ہے تو پھر کئی مسائل پیدا ہوتے ہیں جن پر گذشتہ مقالے میں تفصیل سے بحث کی گئی تھی۔[۱۸]

۱۴۔ امین احسن اصلاحی، **تدبر قرآن** (لاہور: فاران فاؤنڈیشن، ۲۰۰۱ء)، ۳: ۵۴۰۔

۱۵۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: مشتاق احمد، "سورۃ التوبۃ کے ابتدائی حصے کا زمانۂ نزول اور تاریخی پس منظر"، ۱۷-۱۹۔

۱۶۔ اصلاحی، **تدبر قرآن**، ۳: ۵۴۴۔

۱۷۔ نفس مصدر۔

۱۸۔ مشتاق احمد، "سورۃ التوبۃ کے ابتدائی حصے کا زمانۂ نزول اور تاریخی پس منظر"، ۱۷-۱۹۔

دراصل مولانا نے آیت ۷ تا ۱۲ کو دیکھتے ہوئے یہ رائے قائم کی کہ ان کا نزول نقض معاہدۂ حدیبیہ سے قبل ہوا۔ پھر چوں کہ آیت ۷ میں قریش اور معاہدۂ حدیبیہ کا ذکر اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کے الفاظ میں ہوا اس لیے الفاظ میں ظاہری مشابہت کی بنا پر مولانا اصلاحی نے قرار دیا کہ آیت ۴ میں اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا میں بھی اشارہ قریش اور معاہدۂ حدیبیہ کی طرف ہے۔ اس مقام پر مولانا اصلاحی ایک عجیب قسم کے تناقض اور الجھن میں پڑ جاتے ہیں۔ چناں چہ ایک جانب سیرت نگاروں کے عمومی موقف کے برعکس وہ یہ قرار دیتے ہیں کہ معاہدۂ حدیبیہ غیر موقت تھا، دوسری جانب آیت ۴ کے اشارے کو معاہدۂ حدیبیہ کی طرف قرار دیتے وقت وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ آیت ۴ میں مذکور معاہدہ موقت تھا﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ﴾ مولانا اصلاحی کے الفاظ یہ ہیں: "یہ یاد رہے کہ معاہدۂ حدیبیہ غیر موقت تھا اور ان آیات کے نزول کے وقت تک معلوم ہوتا ہے کہ قریش لشتم پشتم اس کو نباہ رہے تھے اور اس وجہ سے قدرتی طور پر اس کے متعلق بہت سے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوا ہو گا کہ چار ماہ کی مذکورہ مدت گزرنے کے بعد اس کا انجام کیا ہو گا؟ یہ اسی سوال کا جواب ہے۔[۱۹]

گویا یہاں مولانا اصلاحی پھر یہ قرار دے رہے ہیں کہ ان آیات کا نزول نقض معاہدۂ حدیبیہ سے قبل ہوا۔ آگے مولانا اصلاحی نے مزید کہا ہے کہ چار ماہ کی مہلت کے دوران میں ہی معاہدۂ حدیبیہ قریش کی جانب سے توڑ دیا گیا:"معلوم ہوتا ہے کہ اسی دوران میں قریش نے آں حضرت ﷺ کے حلیف بنی خزاعہ کے خلاف اپنے حلیف بنی بکر کی مدد کر کے اس معاہدے کی بھی خلاف ورزی کی جس کے نتیجے میں آں حضرت ﷺ نے مکہ پر فوج کشی کی اور اس کو فتح کر لیا۔"[۲۰] یہ نہایت عجیب بات ہے کیوں کہ آیت ۵ کی تفسیر میں مولانا اصلاحی نے تصریح کی ہے کہ چار مہینوں کی مہلت شوال ۹ھ سے شروع ہوئی اور محرم ۱۰ھ کے اختتام پر ختم ہوئی۔ پھر ان آیات کا نزول ۸ھ کے وسط میں کیسے ہو سکتا تھا؟ معلوم نہیں کس بنا پر مولانا اصلاحی کو یہ مغالطہ لاحق ہوا کہ انھوں نے ۹ھ کے وسط کو ۸ھ کا وسط مان لیا؟ مولانا اصلاحی نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ مشرکین نے نسیء کی جو بدعت رائج کی تھی اس کی

۱۹۔ اصلاحی، **تدبر قرآن**، ۳: ۵۴۴۔

۲۰۔ نفس مصدر۔

وجہ سے صحیح تاریخوں کا تعین کافی مشکل ہے۔ نیز اپنے متعلق وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ حساب کتاب کے میدان کے مرد نہیں ہیں[۲۱] لیکن یہاں مسئلہ محض حساب کتاب میں غلطی کا نہیں، بلکہ تاریخی مغالطے کا ہے۔

کیا آیات ۱ تا ۱۲ کا نزول شوال ۹ھ میں ہوا؟

مولانا اصلاحی جس الجھن میں پڑ گئے تھے اس سے قطعِ نظر، اس موقف کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ ان آیات کا نزول شوال ۹ھ میں ہوا، لیکن حج کے موقع پر ان کا خصوصی اعلان کیا گیا۔

پہلا سوال یہ ہے کہ جب اعلانِ عام ذی الحجہ ۹ھ میں کیا گیا تو کیا بہت سے لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہو سکتے تھے کہ مہلت کا اختتام ربیع الثانی میں ہو گا؟ کیا ساتھ ہی لوگوں کو یہ بھی بتایا جاتا رہا کہ مہلت کا اختتام ربیع الثانی ۱۰ھ میں نہیں بلکہ محرم ۱۰ھ میں ہو گا؟ روایات میں ایسی کوئی تصریح نہیں ملتی، تاہم اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ آیت ۵ میں تصریح کی گئی ہے کہ حرمت کے مہینوں کے خاتمے پر ہی مشرکین کے خلاف حتمی اقدام کیا جائے؛ یوں اگر بعض لوگوں کو غلط فہمی کا اندیشہ تھا بھی تو اس کا ازالہ ہو گیا۔

اس پر دوسرا سوال، جو قانونی لحاظ سے زیادہ اہم ہے، یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان آیات کا نزول شوال میں ہوا تو کیا اسی وقت سے لوگوں تک اس اعلان کا پہنچانا لازم نہیں تھا؟ اگر انھیں حج کے موقع پر ہی یہ بتایا گیا تو چار مہینوں کی مہلت کا فائدہ کیا ہوا؟ حج کے موقع پر اعلان سے قبل مشرکین تک معاہدات کے خاتمے کا پیغام پہنچانے کے متعلق روایات بھی بظاہر خاموش ہیں لیکن جیسا کہ ذکر کیا گیا، کئی مفسرین نے یہ قول اختیار کیا ہے۔ امام طبری نے ان تفسیری اقوال کے ذکر کے بعد جو نکتہ اٹھایا ہے وہ نہایت اہم ہے:

و ذلک غیر جائز أن یکون صحیحًا، لأن المجعول له أجل السیاحة إلی وقت محدود إذا لم یعلم ما جعل له و لا سیما مع عهد له قد تقدم قبل ذلک بخلافه، فکمن لم یجعل له ذلک، لأنه إذا لم یعلم ما له في الأجل الذي جعل له و ما علیه بعد انقضائه، فهو کهیئته قبل الذي جعل له من الأجل. و معلوم أن القوم لم یعلموا بما جعل لهم من ذلک، إلا حین نودی فیهم بالموسم.[۲۲]

یہ بات صحیح نہیں ہو سکتی کیوں کہ جن لوگوں کو مقررہ مدت تک مہلت دی گئی اگر انھیں علم نہ ہو کہ وہ مدت کتنی ہے، بالخصوص جب کہ ان کے ساتھ اس اعلانِ جنگ سے قبل امن کا معاہدہ بھی ہوا تھا، تو گویا انھیں کوئی مہلت دی ہی نہیں

۲۱- نفس مصدر، ۵۳۹۔

۲۲- الطبری، **جامع البیان**، ۱۴: ۱۱۰-۱۱۱۔

گئی، کیوں کہ جب انھیں معلوم ہی نہیں کہ مہلت کی مدت کے دوران میں وہ کیا کر سکتے ہیں اور مہلت کے خاتمے کے بعد ان کے خلاف کیا اقدام کیا جائے گا تو گویا ان کی وہی حالت بر قرار ہے جو مہلت مقرر کیے جانے سے قبل تھی؛ اور یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ ان لوگوں کو اس مہلت کا علم اس وقت ہوا جب زمانۂ حج میں اس کا اعلان کیا گیا۔

اصل دلیل یہ آخری جملہ ہی ہے کہ لوگوں کو اس اعلان کا علم حج کے موقع پر ہی ہوا۔ اس کے جواب میں فرض کرنا پڑتا ہے کہ جن قبائل تک یہ اعلان پہنچانا ضروری تھا ان تک حج سے قبل بھی یہ اعلان پہنچایا جا چکا تھا۔[۲۳] یہ فرض کرنا اس لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ آیات میں حرمت کے مہینوں کے اختتام پر مشرکین کے خلاف جس نوعیت کے اقدام کا حکم دیا گیا ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ عمومی طور پر تمام مشرکین کے خلاف اقدام ہو۔ مفسرین میں سے بعض نے اسی بنا پر قرار دیا کہ آیت ۵ میں حرمت کے مہینوں سے مراد وہی چار مہینے ہیں جن کی مہلت ان مشرکین کو آیت ۲ میں دی گئی۔ گویا ان مفسرین کا موقف یہ ہوا کہ آیات کا نزول ذی الحجہ ۹ھ میں ہی ہوا، جیسا کہ روایات سے بظاہر معلوم ہوتا ہے، اور ان کا اعلان چوں کہ حج کے موقع پر کیا گیا اس لیے چار مہینوں کی مہلت وہیں سے شروع ہوئی اور ۱۰ ربیع الثانی ۱۰ھ کو ختم ہوئی؛ بہ الفاظِ دیگر آیت ۵ میں مذکور حکم پر عمل یکم صفر سے نہیں بلکہ ۱۱ ربیع الثانی سے ہونا تھا۔[۲۴] ذیل میں اسی موقف کا تنقیدی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

ٱلۡأَشۡهُرُ ٱلۡحُرُمُ سے مہلت کے چار مہینے مراد نہیں لیے جاسکتے

امام ابو حیان الأندلسی (م ۷۵۴ھ) نے اس مقام پر چار بنیادی قواعد ذکر کیے ہیں جن سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہاں اشہر حرم سے مراد مہلت کے چار مہینے ہی ہیں، وہ قواعد یہ ہیں:

۱. جب کلام میں پہلے اسم نکرہ آئے اور بعد میں اس کا ذکر دوبارہ آئے تو بہتر اسلوب یہ ہے کہ اس کا ذکر ضمیر کے ذریعے ہو (لقيت رجلاً فضربته)؛

۲۳- جیسا کہ آگے تفصیل آئے گی، یہ حکم ان دو طرح کے مشرکین کے لیے تھا جن کے ساتھ معاہدات وقت کی قید کے بغیر ہوئے تھے، یا جن کے ساتھ موقت معاہدات ہوئے تھے لیکن انھوں نے ان معاہدات کی خلاف ورزی کی تھی۔

۲۴- الطبری، **جامع البیان**، ۱۴: ۹۹- ۱۰۱۔ مولانا ابو الاعلی مودودی اس موقف کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتے ہیں: "یہاں حرام مہینوں سے اصطلاحی اشہر حرم مراد نہیں ہیں جو حج اور عمرے کے لیے حرام قرار دیے گئے ہیں، بلکہ اس جگہ وہ چار مہینے مراد ہیں جن کی مشرکین کو مہلت دی گئی تھی۔ چوں کہ اس مہلت کے زمانے میں مسلمانوں کے لیے جائز نہ تھا کہ مشرکین پر حملہ آور ہو جاتے اس لیے انھیں حرام مہینے فرمایا گیا ہے۔" (سید ابو الاعلی مودودی، **تفہیم القرآن** (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ۱۹۷۴ء)، ۲: ۱۷۶۔)

۲. یہ بھی جائز ہے کہ دوبارہ ذکر کرتے وقت اسے ال کے ذریعے معرف بنایا جائے (لقيت رجلاً فضربت الرجل)

۳. البتہ یہ جائز نہیں ہے کہ اس کا ذکر ایسی صفت کے ساتھ کیا جائے جو مغایرت پر دلالت کرے (لقيت رجلًا فضربت الرجل الأرزق)

۴. اس کے برعکس ایسی صفت کے ساتھ اس کا ذکر جائز ہے جو مغایرت کی نفی کرے۔ (لقيت رجلًا فضربت الرجل المذكور)۔[۲۵]

ان قواعد کے ذکر کے بعد وہ نتیجہ یوں اخذ کرتے ہیں:"و هنا جاء الأشهر الحرم لأن هذا الوصف مفهوم من قوله (فَسِيحُواْ فِي ٱلۡأَرۡضِ أَرۡبَعَةَ أَشۡهُرٖ) إذ التقدير: أربعة أشهر حرم لا يتعرض إليكم فيها. فليس الحرم وصفًا مشعرًا بالمغايرة."[۲۶] (یہاں الأشهر الحرم کی ترکیب اس لیے مناسب ہے کہ حرمت کا یہ مفہوم ارشاد باری تعالیٰ: فَسِيحُواْ فِي ٱلۡأَرۡضِ أَرۡبَعَةَ أَشۡهُرٖ سے صاف معلوم ہوتا ہے، گویا مفہوم یہ ہوا کہ ان چار مہینوں میں تمھیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ پس الحرم ایسی صفت نہیں ہے جو مغایرت پر دلالت کرتی ہو۔

امام ابو حیان کے احترام کے باوجود بصد ادب عرض کرنا پڑتا ہے کہ ان کے ذکر کردہ قواعد سے اس کے بالکل برعکس نتیجہ نکلتا ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر پہلے قاعدے کی رو سے بہتر اسلوب یہی ہے کہ نکرہ کا دوبارہ ذکر ضمیر کے ذریعے ہو تو فَإِذَا ٱنسَلَخَ ٱلۡأَشۡهُرُ ٱلۡحُرُمُ کی جگہ فاذا انسلخت ہونا چاہیے تھا کیوں کہ قرآن نے ہر مقام پر بہترین اسلوب ہی اختیار کیا ہے؛ یا اگر دوسرے مقام پر اشھر کا ذکر ضروری تھا اور اس لفظ سے مراد مہلت ہی کے مہینے ہوتے تو دوسرے قاعدے کی رو سے فإذا انسلخ الأشهر کا اسلوب اس مقصد کے

۲۵- ابو عبد اللہ محمد بن یوسف بن حیان الاندلسی، **التفسير الكبير المسمى البحر المحيط** (بیروت:دارإحياء التراث العربي، تاریخ ندارد)، ۵: ۹۔

۲۶- نفس مصدر۔

لیے زیادہ مناسب ہوتا؛ یا اگر أشھر کے ساتھ صفت کا ذکر ضروری ہوتا تو تیسرے قاعدے کی رو سے ایسی صفت ذکر نہ کی جاتی جو مغایرت پر دلالت کرتی ہو، بلکہ چوتھے قاعدے کی رو سے ایسی صفت ذکر کی جاتی جو مغایرت کی نفی کرتی۔ ٱلأَشهُرُ کے ساتھ جب ٱلحُرُمُ کی صفت آئی تو اس صفت نے مغایرت کا مفہوم پیدا کر دیا ہے کیوں کہ قرآن مجید نے جہاں کہیں بھی اشہر حرم کا ذکر کیا ہے وہاں مراد معروف حرمت کے مہینے ہی ہیں، یہاں تک کہ اسی سورہ کی آیت ۳۶ میں پھر حرمت کے مہینوں کا ذکر آرہا ہے جن سے قطعاً و بلاشبہ حرمت کے معروف چار مہینے ہی مراد ہیں۔ نظمِ قرآن کی گواہی یہ ہے کہ آیت ۳۶ اور آیت ۳۷ دراصل مشرکین و اہلِ کتاب کے خلاف اعلانِ براءت کے اختتام میں ضمیمے کے طور پر رکھی گئی ہیں، اس لیے ان کا واضح تعلق ابتدائی آیات میں مذکور حکم سے ہی ہے۔ مولانا اصلاحی نے اسی بنا پر یہ رائے اختیار کی ہے کہ آیت ۵ میں اشہر حرم سے معروف حرمت کے مہینے ہی مراد ہیں۔[۲۷] آیات ۳۶-۳۷ میں حرمت کے چار مہینوں کے ذکر کے ساتھ ہی نسیء کی بدعت کے خاتمے کا حکم دیا گیا ہے اور قتال کے حکم کو موکد اَز کر کیا گیا ہے:

﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ ۚ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝ إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ ۖ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ ۚ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾ (۳۷)

یقیناً اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد اللہ کے نوشتے میں، جب سے اس نے آسمان و زمین پیدا کیے ہیں، بارہ ہی ہے جن میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں؛ پس ان مہینوں کے بارے میں اپنا نقصان نہ کرو؛ اور مشرکین سے اسی طرح سب مل کر لڑو جیسے وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں؛ اور جان رکھو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔ مہینوں کا اپنی جگہ سے ہٹا دینا تو کفر میں مزید ترقی ہے جس سے یہ کافر گمراہ کیے جاتے ہیں کہ وہ کسی سال ایک مہینے کو حلال ٹھہراتے ہیں اور کسی سال اسے حرام قرار دیتے ہیں تاکہ اللہ کے حرام کردہ مہینوں کی تعداد پوری کرلیں اور یوں اللہ کے حرام کیے ہوئے کو حلال کر دیتے ہیں؛ ان کے برے اعمال ان کے لیے خوش نما بنا دیے گئے ہیں؛ اور اللہ ایسے منکرین کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

۲۷- ''اشہر حرم' سے مراد ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب کے مہینے ہیں۔ 'اشہر حرم' ان مہینوں کے لیے بطور اسم و علم استعمال ہوتا ہے۔ ان کو سوا کوئی اور مہینہ مراد لینے کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔'' (اصلاحی، **تدبر قرآن**، ۳: ۵۴۰)

مولانا اصلاحی بجا طور پر اسے آیت ۵ میں مذکور حکم کی تاکیدِ مزید قرار دیتے ہیں۔ یہ گویا ایک اور قرینہ ہوا اس امر کا کہ آیت ۵ میں اشہر حرم سے مراد حرمت کے معروف چار مہینے ہی ہیں۔[۲۸] اسی بنا پر مفسرین کے ایک بڑے گروہ نے یہ رائے اختیار کی ہے کہ آیت ۵ میں اشہر حرم سے مراد مہلت کے چار مہینے نہیں، بلکہ معروف حرمت کے مہینے ہی ہیں۔[۲۹]

روایات کی تاویل کی جائے یا آیات کی؟

اگر حرمت کے مہینوں کا اختتام ۳۰ محرم پر ہونا تھا اور اس کے بعد مشرکین کے خلاف اقدام ہونا تھا تو اعلان کے دن سے یہ پچاس دن بنتے ہیں، نہ کہ چار مہینے۔ اسی لیے مفسرین کے ایک اور گروہ کو یہ ماننا پڑا کہ چار مہینوں کی مہلت محرم کے اختتام پر ختم ہوئی، گویا ان آیات کا نزول شوال ۹ھ میں ہوا، نہ کہ ذی الحجہ ۹ھ میں، جیسا کہ روایات سے مترشح ہوتا ہے۔ شمس الائمہ ابو بکر محمد بن ابی سہل السرخسی (م ۴۸۳ھ) اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہ کیوں مشرکین کے خلاف اقدام کو حرمت کے مہینوں کے اختتام تک موخر کیا گیا، فرماتے ہیں:

"المراد به: مضي مدة الأمان الذي كان لهم من رسول الله صلى الله عليه وسلم بأمر الله تعالى، كما قال: (فَسِيحُواْ فِي ٱلأَرضِ أَربَعَةَ أَشهُر)؛ و وافق مضي ذلك انسلاخ الأشهر الحرم."[۳۰]

(اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو جو امان دیا تھا اس کی مدت گزر جائے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "سو اب تم اس سرزمین میں چار ماہ اور چل پھر لو" اور اس مدت کا اختتام حرمت کے مہینوں کے اختتام کے ساتھ ہوا۔)

یہ رائے ماننے کی صورت میں لازماً ان روایات کی تاویل کرنی پڑے گی جن سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات کا نزول ذی الحجہ میں ہوا، جب مسلمان حج کے لیے روانہ ہو چکے تھے۔ واقعے کی نوعیت روایات میں یوں بیان ہوئی ہے کہ ۹ھ کے حج کے لیے رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امیر الحج مقرر کر کے بھیجا اور پھر ان

۲۸- نفس مصدر، ۵۶۸۔

۲۹- امام طبری نے یہ رائے امام ابن شہاب زہری کے حوالے سے نقل کی ہے۔ (الطبری، **جامع البيان**، ۱۴: ۱۰۱۔) امام جصاص نے یہی رائے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ (الجصاص، **أحكام القرآن**، تحقیق محمد الصادق قمحاوی (بیروت: دار إحياء التراث العربي، ۱۴۱۲ھ / ۱۹۹۲ء)، ۳: ۱۱۷- ۱۱۸۔)

۳۰- امام ابو بکر محمد بن ابی سہل السرخسی، **المبسوط** (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۹۹۷ء)، ۱۰: ۳۲۔

کے جانے کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو آیاتِ براءت کے ساتھ بھیجا۔ روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے قافلے تک پہنچے تو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ کیا انھیں امارت کی ذمے داری بھی دے دی گئی ہے؟ جواب میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہیں وہ مامور ہی رہیں گے، البتہ انھیں یہ ذمے داری سونپی گئی ہے کہ وہ براءت کا اعلان کریں۔[۳۱] اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات کا نزول سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے جانے کے بعد ہی ہوا ہے۔ ان روایات کی یہ تاویل کرنی پڑے گی کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بعد میں اس لیے نہیں بھیجا گیا کہ آیات کا نزول بعد میں ہوا، بلکہ انھیں اس لیے بعد میں بھیجا گیا کہ اعلان خاص انھی کے ذریعے کرنا مقصود تھا۔ اس تاویل کے لیے روایات میں گنجایش مل جاتی ہے کیوں کہ بعض روایات میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ ذمے داری سونپ دینے کی وجہ یہ ذکر کی گئی ہے کہ ایسا عربوں کے اس دستور کے مطابق کیا گیا کہ معاہدات سے علاحدگی کا اعلان خاندان کے کسی فرد کے ذریعے ہی کیا جاتا۔[۳۲]

اس کے برعکس اگر روایات کو ان کے ظاہری مفہوم پر لیا جائے تو پھر آیات کی تاویل کر کے یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ حرمت کے مہینوں سے معروف مہینے نہیں، بلکہ مہلت کے چار مہینے مراد ہیں اور یا یہ ماننا پڑے گا کہ بعض مشرکین کے خلاف اقدام محرم کے اختتام پر اور بعض کے خلاف ۱۰ ربیع الثانی کے بعد ہونا تھا۔ ان دونوں صورتوں میں آیات کے ظاہری مفہوم سے گریز کرنا پڑتا ہے۔

اس اصولی مسئلے میں ہم اس موقف کو ترجیح دیتے ہیں کہ آیات کو ان کے ظاہری مفہوم پر لیا جائے اور ان کی روشنی میں روایات کی تاویل کی جائے، الاّ یہ کہ اس طرح کسی قطعی اصول کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔ یہاں آیات کا ظاہری مفہوم مراد لینے میں سوائے اس کے کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ پھر فرض کرنا پڑے گا کہ آیات کا نزول جب شوال میں ہوا تو جن لوگوں تک اس اعلان کا پہنچانا لازم تھا ان تک پہنچایا گیا اور اب حج کے موقع پر دوبارہ اعلان اس لیے کیا گیا کہ کسی کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہے۔ یہ فرض کرنا اس لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف عہد شکنی کی نسبت ہوتی ہے جو قطعی طور پر ناممکن ہے۔

۳۱۔ روایات کی تفصیل کے لیے دیکھیے: الطبری، **جامع البیان**، ۱۴: ۱۰۳۔ ۱۰۹۔

۳۲۔ نفسِ مصدر۔

اس لیے ہم اس راے کو ترجیح دیتے ہیں کہ ان آیات کا نزول شوال ۹ ھ میں ہوا اور مذکورہ قبائل تک اعلان پہنچا دیا گیا؛ اس کے بعد حج کے موقع پر منادیِ عام بھی کی گئی اور محرم کے اختتام پر تمام مشرکین کے خلاف اقدام کا اعلان کیا گیا جن سے صرف دو طرح کے لوگ مستثنیٰ کیے گئے: ایک وہ قبائل جن سے موقت معاہدہ ہوا تھا اور انھوں نے اس معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کی اور دوسرے وہ افراد جو سوچ بچار کے لیے انفرادی طور پر مسلمانوں سے امان طلب کریں۔ اس بات کی مزید وضاحت اگلی فصل میں آرہی ہے۔

فصلِ چہارم

اعلانِ براءت کے نزول کے موقع پر مشرکین کے مختلف گروہ

اس فصل میں اس امر کا جائزہ لیا جائے گا کہ اعلانِ براءت کے وقت مشرکینِ عرب قانونی لحاظ سے کن گروہوں میں تقسیم تھے اور ان کے لیے ان آیات میں کیا حکم دیا گیا۔ مشرکین کے ان گروہوں کے تعین میں مفسرین نے مشقت اٹھائی ہے۔ مولانا تھانوی کی راے یہ ہے کہ ان آیات کے نزول کے وقت مشرکین کے چار گروہ تھے: ایک، قریش جنھوں نے نقضِ عہد کیا؛ دوسرا، بنو ضمرہ و بنو مدلج جن کے ساتھ معاہدہ موقت تھا اور انھوں نے نقضِ عہد بھی نہیں کیا تھا؛ تیسرا، بعض قبائل جن کے ساتھ غیر موقت معاہدہ ہوا تھا؛ اور چوتھا، عام مشرکین جن کے ساتھ کسی قسم کا معاہدہ نہیں تھا۔ [۳۳]

مولانا تھانوی قرار دیتے ہیں کہ پہلی آیت میں ٱلَّذِينَ عَٰهَدتُّم کے الفاظ بغیر قید کے آئے ہیں جو اس بات کا قرینہ ہیں کہ یہاں غیر موقت معاہدات مراد ہیں اور ان لوگوں کو آیت ۲ میں چار مہینوں کی مہلت دی گئی۔ [۳۴] جیسا کہ ہم واضح کریں گے، ہمارے نزدیک یہ الفاظ عام ہیں اور ان کے عموم میں موقت و غیر موقت تمام معاہدات آجاتے ہیں، البتہ آیت ۴ میں اس عمومی حکم سے ایک استثنا دیا گیا ان لوگوں کے لیے جن کے ساتھ معاہدہ موقتاً ہوا تھا اور انھوں نے نقضِ عہد بھی نہیں کیا تھا۔ [۳۵]

اس کے بعد مولانا لکھتے ہیں کہ آیت ۳ میں **بَرِيٓءٌ مِّنَ ٱلْمُشْرِكِينَ** کے الفاظ آیت ۴ میں **لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْـًٔا** کے مقابل کے طور پر آئے ہیں اور تقابل کے اس قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت ۳ میں مراد وہ مشرکین

۳۳– مولانا اشرف علی تھانوی، **بیان القرآن** (لاہور: ادارۂ تالیفات اشرفیہ، ۱۴۲۵ھ)، ۲: ۱۰۷۔

۳۴– نفس مرجع، ۲: ۱۱۵۔

۳۵– مولانا تھانوی کے الفاظ میں "جماعت دوم"۔

ہیں جنھوں نے عہد شکنی کی تھی۔[۳۶] ہمارے نزدیک لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا سے یہ استدلال تو صحیح ہے کہ اعلان براءت کے پیچھے ایک بنیادی وجہ مشرکین کے مختلف گروہوں کی جانب سے مسلسل کی جانے والی عہد شکنی تھی، لیکن چوں کہ بَرَآءَةٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ میں بھی الفاظ عام ہیں، اس لیے اس کے عموم میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جنھوں نے عہد شکنی نہیں کی تھی لیکن ان کے ساتھ معاہدہ غیر موقت ہوا تھا۔ ایسے معاہدے کو کوئی بھی فریق یک طرفہ طور پر ختم کر سکتا تھا بشرطے کہ دوسرے فریق کو باقاعدہ طور پر معاہدے کے خاتمے سے آگاہ کیا جاتا، جیسا کہ اس آیت میں حکم دیا گیا کہ حج اکبر کے دن تمام لوگوں تک یہ اعلان پہنچا دیا جائے۔

ناقضینِ عہد، یعنی قریش، کے متعلق مولانا تھانوی کی تحقیق یہ ہے کہ حدیبیہ کے نقض سے قبل ان کے متعلق حکم یہ تھا کہ جب تک یہ معاہدے پر قائم رہیں تو تم بھی اس پر قائم رہو۔ اس موقف کے لیے مولانا تھانوی آیات ۷۔ ۱۲ سے استدلال کرتے ہیں، تاہم جیسا کہ پچھلے مقالے میں ہم نے تفصیل سے واضح کیا، ہمارے نزدیک ان آیات کا اطلاق فتحِ مکہ کے بعد قریش اور دیگر مشرکین کو دی جانے والی امان پر ہوتا ہے۔[۳۷]

مزید بر آں، مولانا تھانوی کہتے ہیں کہ آیات ۱۔ ۶ کے نزول کے وقت اس گروہ کے متعلق حکم تبدیل ہو چکا تھا، کیوں کہ یہ لوگ نقضِ عہد کر چکے تھے؛ اس لیے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان کے خلاف فوری اقدام کیا جاتا، لیکن حرمت کے مہینوں کی وجہ سے انھیں مہلت دی گئی۔[۳۸] یہاں مولانا کے موقف میں تناقض پایا جاتا ہے کیوں کہ آیت ۱۳ و مابعد کی تفسیر میں وہ صراحت کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے نقضِ عہد کے بعد یہ آیات فتحِ مکہ کی ترغیب کے لیے نازل ہوئیں۔[۳۹] پس نقضِ عہد کے بعد اس گروہ کے خلاف جو اقدام کیا جانا تھا، وہ تو پہلے ہی کیا جا چکا تھا، اب اس کے مزید ایک سال بعد جب آیات ۱۔ ۶ نازل ہوئیں تو ان کو اس واقعے کے ساتھ متعلق کرنا کسی طور بھی مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

مولانا نے اس مقام پر ایک اعتراض کا ذکر کیا ہے، لیکن اس کا شافی جواب نہیں دیا۔ اعتراض یہ ہے کہ نقضِ عہد کے بعد مکہ فتح کیا گیا تو باقی لوگوں کو امان دیا گیا، پھر یہ لوگ غیر مامون کیسے ہوئے؟ اس کا جواب انھوں نے یہ دیا ہے کہ ان آیات کے نزول کے وقت وہ غیر مامون نہیں تھے، لیکن چوں کہ ان کا سابقہ جرم بہت سنگین تھا،

۳۶۔ تھانوی، نفس مرجع، ۲: ۱۱۵۔

۳۷۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: مشتاق احمد، "سورۃ التوبۃ کے ابتدائی حصے کا زمانۂ نزول اور تاریخی پس منظر"، ۲۸-۳۸۔

۳۸ ۔ تھانوی، نفس مرجع، ۲: ۱۰۸۔

۳۹ ۔ نفس مرجع، ۲: ۱۱۴- ۱۱۵۔

اس لیے انھیں دوسرے لوگوں کی طرح رعایت نہیں دی جاسکتی تھی۔[۴۰] یہ جواب اس وجہ سے مناسب نہیں ہے کہ ان لوگوں کو ان کے جرم عظیم کے باوجود فتح مکہ کے موقع پر امان دے دیا گیا تھا، اس لیے اب فتح سے پہلے کے جرم پر حکم کی بنا مناسب نہیں تھی۔

در حقیقت ساری الجھن اسی بات سے پیدا ہوئی ہے کہ ان آیات کو معاہدۂ حدیبیہ کے ساتھ اور اس وجہ سے قریش کے ساتھ جوڑا گیا، حالاں کہ جب قریش نے معاہدۂ حدیبیہ کا نقض کیا اور اس کے بعد مسلمانوں نے مکہ فتح کیا تو معاہدۂ حدیبیہ غیر موثر ہو گیا تھا اور مجرموں کو ان کے جرم کی سزا بھی دی جاچکی تھی۔ اس کے بعد قریش میں جن لوگوں کو امان دی گئی تو وہ اس امان کی وجہ سے مامون ہوئے، نہ کہ سابقہ معاہدۂ حدیبیہ کی بنا پر جو کہ اب غیر موثر ہو چکا تھا۔ پس فتح مکہ کے بعد قریش کے ان مشرکین کی قانونی حیثیت بالکل ان لوگوں کی تھی جن کے ساتھ امن کا معاہدہ غیر موقت ہوا تھا۔[۴۱]

مشرکین کے مختلف گروہوں کے متعلق ہماری تحقیق

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر ہم مشرکین کے ان مختلف گروہوں کے متعلق اپنی رائے کی تفصیل دیں اور آیات ۱ تا ۶ کی تاویل کے متعلق اپنی تحقیق پیش کریں۔

پہلی آیت میں مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کی جانب سے ان مشرکین کو براءت کا اعلان پہنچادو "جن کے ساتھ تم نے معاہدہ کیا ہے" ﴿بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ یہاں اَلَّذِینَ عٰهَدتُّم اصولِ فقہ کی اصطلاح میں "عام" (General) ہے اور اس کے عموم میں مشرکینِ عرب کے وہ تمام گروہ آجاتے ہیں جن کے ساتھ مسلمانوں کا امن معاہدہ (الموادعة) ہوا تھا، خواہ یہ معاہدہ وقت کی قید کے بغیر (الموادعة المطلقة) ہوا ہو یا وقت کی قید کے ساتھ (الموادعة الموقتة) اور خواہ انھوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہو یا نہ کی۔[۴۲]

۴۰۔ نفس مرجع، ۴: ۱۰۸۔

۴۱۔ یعنی مولانا تھانوی کے الفاظ میں "جماعت سوم" جن کے متعلق حکم اوپر ذکر کیا گیا کہ ان کو چار مہینوں کی مہلت دی گئی۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: مشتاق احمد، "سورۃ التوبۃ کے ابتدائی حصے کا زمانۂ نزول اور تاریخی پس منظر"، ۲۸-۳۸۔

۴۲۔ اسلامی قانون کی رو سے غیر مسلموں سے کیے جانے والے امن معاہدات کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں: عقد ذمہ، جو غیر مسلموں کے ساتھ ابدی امن کا معاہدہ ہے اور جس کی رو سے غیر مسلموں کو دار الاسلام میں مستقل اقامت کا حق مل جاتا ہے

یہ بھی ظاہر ہے کہ جو لوگ پہلی آیت میں مراد ہیں، وہی دوسری آیت میں بھی مخاطب ہیں جن کی طرف رخ کرکے ان کی توبیخ کی گئی ہے اور انھیں بتایا گیا ہے کہ ان کے پاس چار مہینوں کی مہلت ہے جس کے بعد ان کا فیصلہ کیا جائے گا اور انھیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں ہے ﴿فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ﴾ ترجمہ: پس یہاں تک حکم یہ ہوا کہ جن مشرکین کے ساتھ معاہدہ ہوا ہے، خواہ موقتاً ہو یا مطلقاً اور خواہ انھوں نے نقضِ عہد کیا ہو یا نہ کیا ہو، ان سب کو چار مہینوں کی مہلت دی گئی اور جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا اس مدت کا اختتام بھی محرم کے خاتمے پر ہونا تھا۔

اب تیسری آیت کی طرف آیئے: ﴿وَأَذَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ۙ وَرَسُولُهُ ۚ فَإِن تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ ۗ وَبَشِّرِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ (اور منادی کر دی جائے اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے تمام لوگوں کو بڑے حج کے دن کہ اللہ مشرکین سے بری الذمہ ہے، اور اس کا رسول بھی۔ پس اگر تم شرک چھوڑ دو تو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے، اور اگر روگردانی کروگے تو خوب سمجھ لو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو۔ اور ان منکرینِ حق کو ایک دردناک عذاب کی خوش خبری دے دو۔)

یہاں لفظ اَلْمُشْرِكِينَ کے متعلق دو احتمالات ہیں: ایک یہ کہ اس سے مراد تمام مشرکینِ عرب ہوں اور دوسرا یہ کہ اس سے مراد وہی مشرکین ہوں جن کے خلاف اعلانِ براءت پہلی دو آیات میں کیا گیا۔[۴۳] ہمارے

اور ملکی قانون کی رو سے ان کی جان و مال کو وہی تحفظ حاصل ہو جاتا ہے جو مسلمانوں کے لیے ہوتا ہے؛ اور عقدِ موادعہ، جو غیر مسلموں کے ساتھ عارضی امن کا معاہدہ ہوتا ہے اور جس کے بعد غیر مسلموں کے خلاف ہر قسم کا جنگی اقدام اس وقت تک ممنوع ہو جاتا ہے، جب تک یہ معاہدہ برقرار رہتا ہے۔ "عارضی" سے مراد یہ نہیں ہے کہ یہ معاہدہ لازماً کچھ مخصوص اور قلیل مدت کے لیے ہو، بلکہ اس معاہدے کی مدت فریقین باہمی رضامندی سے مقرر کر سکتے ہیں اور اگر فریقین چاہیں تو معاہدے میں مدت کی قید سرے سے ذکر ہی نہ کریں۔ اول الذکر صورت میں اسے موادعۂ موقتہ اور ثانی الذکر صورت میں اسے موادعۂ مطلقہ کہتے ہیں۔ اسلامی قانون کی رو سے امن معاہدات پر تفصیلی بحث کے لیے دیکھیے: **محمد مشتاق احمد، جہاد مزاحمت اور بغاوت اسلامی شریعت اور بین الاقوامی قانون کی روشنی میں** (گوجرانوالہ: الشریعہ اکادمی، ۲۰۱۲ء)، ۲۸۹–۳۱۲؛ معاہدات سے متعلق قرآنی آیات پر تفصیلی بحث کے لیے دیکھیے:

Muhammad Mushtaq Ahmad, "Alliance and Treaties", in Muzaffar Iqbal et al (eds.), *The Integrated Encyclopedia of the Qur'an* (Canada: Center for Islam and Science, 2012), 1: 185-193.

۴۳– یہاں اسم معرفہ کے بعد دوبارہ اسم معرفہ آیا ہے۔ کیا ایسے مقام پر دوسرے اسم معرفہ سے بعینہٖ پہلا اسم مراد ہوگا؟ نکرہ کے بعد نکرہ آئے تو حکم کیا ہوگا اور معرفہ آئے تو کیا ہوگا؟ معرفہ کے بعد نکرہ آئے یا معرفہ آئے تو ہر دو صورتوں میں حکم کیا

نزدیک واو استیناف کی وجہ سے پہلا احتمال ہی راجح ہے۔[۴۴] تاہم ہر دو صورتوں میں نتیجہ ایک ہی نکلتا ہے، کیوں کہ جب یہ معلوم ہو گیا کہ اللہ اور اس کے رسول معاہد مشرکین سے بری ہیں تو غیر معاہد مشرکین سے بری ہونا اس سے بدرجۂ اولیٰ لازم آتا ہے۔[۴۵] مولانا تھانوی نے کیا ہی خوب کہا ہے: "ان کا یہی حکم اس سے بدرجۂ اولیٰ مفہوم ہو گیا کہ جب معاہدین سے رفعِ امان کر دیا تو غیر معاہدین میں تو کوئی احتمال امان کا پہلے سے بھی نہیں ہے۔"[۴۶] آگے آپ نے اصطلاحی الفاظ میں اس کی تعبیر یوں کی ہے کہ معاہدین کے متعلق حکم عبارۃ النص سے، اور غیر معاہدین کے متعلق حکم دلالۃ النص سے ثابت ہوا۔[۴۷]

اب آیئے چوتھی آیت کی طرف جس میں اس عمومی اعلانِ براءت سے مشرکین کے ایک مخصوص گروہ کو استثنا دیا گیا ہے؛ یعنی وہ گروہ جس کے ساتھ مسلمانوں کا موقت امن معاہدہ تھا اور جس نے اس معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کی تھی۔ مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ معاہدہ ختم ہونے کی مدت تک اس گروہ کے خلاف کسی قسم کا اقدام نہ کیا جائے: ﴿إِلَّا الَّذِينَ عٰهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ﴾ (بجز ان مشرکین کے جن سے تم نے معاہدہ کیا، پھر انھوں نے تمھارے ساتھ کوئی خیانت نہیں کی اور نہ تمھارے خلاف کسی کی مدد کی، تو ایسے لوگوں کے ساتھ تم بھی عہد وفا کرو مقررہ مدت کے پورا ہونے تک۔ اللہ عہد شکنی سے بچنے والوں کو پسند کرتا ہے۔)[۴۸]

ہو گا؟ اس دل چسپ بحث کے لیے دیکھیے: سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی، **شرح التلویح علی التوضیح لمتن التنقیح** (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۹۶ء)، ۱: ۱۰۱– ۱۰۵۔

۴۴۔ عمار خان ناصر صاحب نے اپنے ایک مکتوب میں اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ چوں کہ جملے کا آغاز 'واو' سے ہوتا ہے، جو بظاہر استیناف کے لیے ہوتا ہے، اس لیے راجح یہی ہے کہ یہاں عام مشرکین مراد ہیں۔

۴۵۔ "غیر معاہدین" سے یہاں مراد عام عرب ہیں جن کے ساتھ خصوصی معاہدہ (العهد الخاص) نہیں کیا گیا تھا، ورنہ ایک عمومی معاہدہ (العهد العام) تو تمام عرب سے ہوا تھا، جس کی رو سے انھیں امان کے علاوہ مسجدِ حرام میں آکر عبادت کرنے کی اجازت مل گئی تھی، لیکن سب کو معلوم تھا کہ یہ انتظام عارضی تھا؛ تفصیل کے لیے دیکھیے: مشتاق احمد، "سورۃ التوبۃ کے ابتدائی حصے کا زمانۂ نزول اور تاریخی پس منظر"، ۳۱-۳۸۔

۴۶۔ تھانوی، **بیان القرآن**، ۲: ۱۱۰۔

۴۷۔ نفس مرجع، ۲: ۱۱۱۔

۴۸۔ روایات میں آیا ہے کہ اعلان براءت کے وقت بنو ضمرہ اور بنو مدلج کے ساتھ معاہدے کے اختتام میں ۹ مہینے باقی تھے۔ پس اس مدت کا اختتام رمضان ۱۰ھ میں ہوا۔

پس یہاں تک نتیجہ یہ نکلا کہ:

۱. جن مشرکین کے ساتھ امن کا معاہدہ مطلقاً ہوا تھا، یا موقتاً ہوا تھا، لیکن انھوں نے نقضِ عہد کیا تھا، ان کو چار مہینوں کی مہلت دی گئی جو محرم کے خاتمے پر ختم ہوئی اور اس کے بعد ان کے خلاف حتمی جنگ ہوئی۔

۲. جن مشرکین کے ساتھ امن کا معاہدہ موقتاً ہوا تھا اور انھوں نے اس کی خلاف ورزی بھی نہیں کی تھی، ان کے متعلق حکم دیا گیا کہ معاہدے کی مدت کے اختتام تک ان کے خلاف کسی قسم کا اقدام نہ کیا جائے؛ اور

۳. جن مشرکین کے ساتھ اب تک کوئی امن معاہدہ نہیں ہوا، انھیں امان حاصل نہیں ہے، لیکن اقدام محرم کے خاتمے پر کیا جائے گا۔

اب پانچویں آیت پر غور کریں: ﴿فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (پس جب حرمت کے مہینے گزر جائیں تو ان مشرکین کو قتل کرو جہاں کہیں پاؤ، اور انھیں پکڑو، اور انھیں گھیرو، اور ہر گھات میں ان کی خبر لینے کے لیے بیٹھو۔ پھر اگر یہ شرک سے باز آئیں، اور نماز قائم کریں، اور زکاۃ ادا کریں، تب ان کی راہ چھوڑ دو۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔)

معاہد مشرکین کے متعلق تو آیات ۱ اور ۲ میں بتادیا گیا تھا کہ اگر انھوں نے نقض عہد کیا ہے، یا ان کا معاہدہ مطلق ہے، تو ان کے خلاف چار مہینوں کے بعد ہی اقدام کریں اور آیت ۴ میں بتادیا گیا تھا کہ اگر انھوں نے نقضِ عہد نہیں کیا، تو مدت کے اختتام تک ان کے خلاف اقدام نہ کریں۔ غیر معاہد مشرکین کے متعلق آیت ۳ میں اعلانِ جنگ کیا گیا۔ اب آیت ۵ میں یہ بتایا جارہا ہے کہ محرم کے خاتمے پر ان تمام مشرکین کے خلاف اقدام کریں۔

پس آیت ۲ میں مذکور مہلت کے چار مہینے ان مشرکین کے لیے ہیں جن کے ساتھ امن کا معاہدہ مطلقاً یا موقتاً ہوا تھا، اور انھوں نے نقضِ عہد کیا تھا، جب کہ آیت ۵ میں مذکور حرمت کے مہینوں کے اختتام تک کی مہلت غیر معاہد مشرکین کے متعلق ہے۔ امام ابو بکر الجصاص الرازی (م ۳۷۰ھ) نے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ان آیات کی یہی تفسیر ان الفاظ میں روایت کی ہے: "جعل الله للذين عاهدوا رسول الله ﷺ أربعة أشهر

يسيحون فيها حيث شاءوا، و أجل من ليس له عهد انسلاخ الأشهر الحرم خمسين ليلة.[۴۹]

(اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو، جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاہدہ کیا تھا، چار ماہ کی مہلت دی کہ اس میں وہ جو چاہیں کریں، جب کہ غیر معاہدین کو حرمت کے مہینوں کے اختتام تک پچاس دن کی مہلت دی۔] امام طبری نے بھی اس موضوع پر مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد آخر میں یہی رائے اختیار کی ہے:

> إن انسلاخ الأشهر الحرم إنما كان أجل من لا عهد له من المشركين من رسول الله ﷺ، و الأشهر الأربعة لمن له عهد، إما إلى أجل غير محدود و إما الى أجل محدود نقضه، فصار بنقضه إياه كمن خيف خيانته فاستحق النبذ إليه على سواء، غير أنه جعل له الاستعداد لنفسه و الارتياد لها من الأجل الأربعة الأشهر.[۵۰]
>
> حرمت کے مہینے گزر جانے تک کی مہلت تو مشرکین میں ان لوگوں کے لیے تھی جن کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا، جب کہ چار مہینوں کی مہلت ان کے لیے تھی جن کے ساتھ یا تو غیر معینہ مدت تک معاہدہ تھا یا معینہ مدت تک تھا، لیکن انھوں نے اس معاہدے کی خلاف ورزی کی تھی؛ پس وہ ان لوگوں کی طرح ہوئے جن کی جانب سے معاہدہ توڑنے کا اندیشہ ہو اور یوں ان کے ساتھ فوری طور پر معاہدہ ختم ہونے کا اعلان کیا جا سکتا تھا؛ تاہم پھر بھی انھیں اپنے طرز عمل پر سوچنے اور لائحۂ عمل طے کرنے کے لیے چار مہینوں کی مہلت دی گئی۔

البتہ یہاں یہ بات یاد رہے کہ ہماری تحقیق کے مطابق ان دونوں مدتوں کا اختتام محرم کے خاتمے پر ہوا، جیسا کہ امام سرخسی کے حوالے سے اوپر مذکور ہوا۔

پانچویں آیت تک مشرکین کے مختلف گروہوں کا حکم ذکر کیا گیا۔ اب چھٹی آیت میں ان گروہوں کے ان افراد کو استثنا دیا گیا جو مسلمانوں کی پناہ میں آنا چاہتے تھے: ﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ﴾ (اور اگر ان مشرکین میں سے کوئی شخص تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دو تاکہ وہ اللہ کا کلام سن لے، پھر اسے اس کی امان کی جگہ پہنچا دو۔ یہ اس لیے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جنھیں اللہ کے کلام کا علم نہیں ہے۔)

---

۴۹ – الجصاص، **أحكام القرآن**، ۳: ۱۱۷– ۱۱۸۔

۵۰ – الطبری، **جامع البيان**، ۱۴: ۱۱۰؛ یہی رائے ابن قیم الجوزیہ کی ہے۔ (محمد بن ابو بکر شمس الدین ابن قیم الجوزیہ، **أحكام أهل الذمة**، ت: یوسف بن احمد البکری، شاکر بن توفیق العاروری (الدمام: رمادی للنشر، ۱۹۹۷ء)، ۱: ۳۳۶)

یہ استثنا، ظاہر ہے، محدود نوعیت کا تھا کیوں کہ اس کے ساتھ ہی یہ اعلان بھی کر دیا گیا تھا کہ اس سال کے بعد کسی مشرک کو مسجد حرام میں داخلے کی اجازت نہیں ہو گی۔

فصلِ پنجم

آیاتِ براءت سے متعلق دو اہم فقہی مسائل

آیاتِ براءت اور متعلقہ احادیث کی روشنی میں فقہاے کرام نے کئی اہم فقہی مسائل کا استنباط کیا ہے جن پر تفصیلی بحث کا یہاں موقع نہیں۔ تاہم دو فقہی مسائل ایسے ہیں جن سے یہاں تعرض ضروری ہے: ایک مسئلہ حرمت کے مہینوں میں جنگ کے جواز و عدم جواز کا ہے اور دوسرا مساجد، بالخصوص مسجد حرام میں مشرکین کے داخلے کی ممانعت کا ہے۔

حرمت کے مہینوں میں جنگ کی ممانعت منسوخ ہو چکی تھی

آیاتِ براءت میں چوں کہ مسلمانوں کا حکم دیا گیا کہ حرمت کے مہینے ختم ہونے پر مشرکین کے خلاف آخری اقدام کریں تو اس سے بعض معاصر اہلِ علم نے یہ استدلال کیا ہے کہ حرمت کے مہینوں میں جنگ آخر وقت تک حرام رہی اور یہ کہ یہ حرمت منسوخ نہیں ہوئی تھی، ہمارے نزدیک یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔

امام سرخسی نے **المبسوط** میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت نقل کی ہے: "غزا رسول الله صلى الله عليه وسلم في المحرم لمستهل الشهر ؛ وأقام عليها أربعين يوما؛ وفتحها، يعنى الطائف، في صفر." [51] (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم کی ابتدا میں (طائف کی) جنگ شروع کی اور چالیس دن تک (محاصرہ کرکے) وہاں مقیم رہے اور پھر اسے، یعنی طائف کو، صفر میں فتح کیا۔)[52]

اس کی شرح میں سرخسی فرماتے ہیں: "وفي هذا دليل على أنه لا بأس بالقتال في الشهر الحرام ، فإن المحاصرة من القتال؛ و قد روي أنه نصب المنجنيق على الطائف، ففعله بيان أن

---

۵۱ – السرخسی، **المبسوط**،۱۰: ۳۲۔

۵۲– **السیر الکبیر** میں مزید وضاحت ہے کہ جنگ کی ابتدا محرم کے چھے دن گزرنے کے بعد ہوئی۔ امام ابو بکر محمد بن ابی سہل السرخسی، **شرح کتاب السیر الکبیر** (بیروت: دار الکتب العلمیة، ۱۹۹۷) ،۱ : ۶۸۔

ماکان من حرمة القتال في الأشهر الحرم قد انتسخ۔" [۵۳] (اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ حرمت کے مہینے میں قتال میں کوئی حرج نہیں ہے، کیوں کہ محاصرہ قتال میں شامل ہے اور یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے طائف کے خلاف منجنیق کا استعمال کیا۔ پس آپ کے فعل سے یہ بات واضح ہوئی کہ حرمت کے مہینوں میں قتال کی ممانعت منسوخ ہو چکی ہے۔)

امام سرخسی مزید فرماتے ہیں کہ آیاتِ براءت میں جب مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا کہ مشرکین کو جہاں پاؤ، قتل کر دو (**فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ**) تو اس عموم میں یہ بات بھی شامل ہے کہ خواہ مہینہ حرمت کا ہو۔ [۵۴]

باقی رہی یہ بات کہ آیاتِ براءت میں تو مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ حرمت کے مہینوں کے بعد اقدام کرو، تو امام سرخسی واضح فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ حرمت کے مہینوں میں قتال بدستور حرام رہا، بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ مشرکین کو چار مہینوں کی مہلت دی گئی تھی جس کا اختتام محرم کے اختتام پر ہی ہونا تھا۔ [۵۵] اس بات کی وضاحت اوپر فصلِ سوم میں گزر چکی ہے۔

امام سرخسی اس ممانعت کی حرمت کے لیے مزید استدلال آیاتِ براءت کے آخری حصے سے کرتے ہیں جس میں مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ اگر وہ مشرکین سے قتال سے باز رہیں گے تو اپنے اوپر ظلم کریں گے:

"معناه: لا تظلموا فيهن أنفسكم بالامتناع من قتال المشركين ليجترؤا عليكم ، بل قاتلوهم كافة لتنكسر شوكتهم وتكون النصرة لكم عليهم." [۵٦] (اس حکم کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے اوپر ظلم نہ کرو، مشرکین کے خلاف لڑنے سے باز آکر؛ کیوں کہ اس طرح انھیں تم پر حملہ کرنے کی جرات مل جائے گی، بلکہ ان کے خلاف سب مل کر لڑو تاکہ ان کی شوکت ختم ہو جائے اور ان کے خلاف تمھیں اللہ کی نصرت حاصل ہو جائے۔)

۵۳- السرخسی، المبسوط، ۱۰: ۳۲۔

۵۴- نفسِ مصدر۔

۵۵- نفسِ مصدر، ۱: ۳۳۔

۵٦- نفسِ مصدر۔

واضح رہے کہ طائف کا محاصرہ اعلانِ براءت سے قبل ہوا تھا۔ اس لیے **شرح السیر الکبیر** میں امام سرخسی تصریح کرتے ہیں کہ حرمت کے مہینوں میں قتال کی ممانعت کا نسخ سنت کے ذریعے ہوا ہے: "و نسخ الكتاب بالسنة المشهورة التي تلقاها العلماء بالقبول جائز." [۵۷] (قرآن کا نسخ ایسی مشہور سنت سے، جسے فقہاے کرام کے ہاں قبولیت حاصل ہو، جائز ہے۔)

مسجد حرام میں مشرکین کے داخلے کی ممانعت

دوسرا اہم فقہی مسئلہ مساجد، بالخصوص مسجد حرام میں مشرکین کے داخلے کی ممانعت ہے۔ آیات ۱۷ تا ۲۲ میں کہا گیا کہ مشرکین کو اللہ تعالیٰ کی مساجد کا اختیار نہیں دیا جاسکتا، جب کہ وہ شرک کرکے خود اپنے کفر کے گواہ ہیں۔ آگے آیت ۲۸ میں مشرکین کے مسجد حرام میں داخلے کی ممانعت کی گئی۔ کیا یہ ممانعت صرف مسجد حرام تک محدود ہے یا دیگر مساجد، بالخصوص مسجد نبوی، کے لیے بھی ہے؟ نیز کیا مقصود مساجد پر مشرکین کے غلبے اور تسلط کی ممانعت ہے یا ان کا مساجد میں محض قدم رکھنا بھی ناجائز ہے؟

امام الشیبانی نے **السیر الکبیر** میں پہلے امام زہری کا یہ قول نقل کیا ہے کہ صلح حدیبیہ کے نقض کے بعد ابو سفیان تجدیدِ عہد کے لیے مدینہ آئے تو مسجد نبوی میں بھی داخل ہو کر تجدید کا اعلان کیا تھا، لیکن مسجد حرام میں مشرکین کے داخلے سے سورۃ التوبۃ کی آیت نے منع کیا۔[۵۸] امام سرخسی نے اس کی شرح میں ذکر کیا ہے کہ اس قول کو امام شیبانی نے امام مالک کے مسلک کی رد میں نقل کیا ہے کیوں کہ امام مالک تمام مساجد میں مشرکین کے داخلے کی ممانعت کے قائل تھے۔[۵۹] اس کے بعد انھوں نے ایک اور روایت بھی نقل کی ہے کہ جب فتحِ مکہ کے بعد بنو ثقیف کا وفد مذاکرات کے لیے آیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے مسجد حرام میں جگہ بنائی تھی اور جب آپ سے کہا گیا کہ کیا وہ نجس نہیں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: "ليس على الأرض من نجاستهم شيء."[۶۰] (زمین پر ان کی نجاست کا کچھ اثر نہیں ہے۔)

۵۷- السرخسی، **شرح کتاب السیر الکبیر** ۱: ۶۸۔

۵۸- نفس مصدر، ۱: ۹۶۔

۵۹- نفس مصدر، ۱: ۹۷۔

۶۰- نفس مصدر۔

امام سرخسی آگے ذکر کرتے ہیں کہ امام زہری کا جو موقف ہے وہی امام شافعی کا بھی ہے کہ مشرکین کو صرف مسجد حرام میں داخلے سے روکا جائے گا اور وہ اس کے لیے سورۃ التوبۃ کی مذکورہ آیت سے ہی استدلال کرتے ہیں۔ تاہم حنفی فقہاے کرام کا یہ موقف نہیں ہے اور ان کے نزدیک غیر مسلم مسجدِ حرام سمیت کسی بھی مسجد میں آسکتے ہیں، چاہے یہ غیر مسلم حربی ہوں یا ذمی۔[61] امام سرخسی واضح فرماتے ہیں کہ آیت میں دخول سے مراد اس طرح کا داخلہ ہے جیسے وہ زمانۂ جاہلیت میں کرتے تھے، یعنی ننگے بدن مسجد حرام میں آتے تھے: "و تأويل الآية: الدخول على الوجه الذي كانوا اعتادوا في الجاهلية، على ما روي أنهم كانوا يطوفون بالبيت عراة."[62] اسی طرح وہ واضح کرتے ہیں کہ اس حکم سے اصل مقصود یہ تھا کہ وہ مسجدِ حرام کا انتظام اپنے ہاتھ میں نہ لینے پائیں: "و المراد : القرب من حيث التدبير و القيام بعمارة المسجد الحرام. وبه نقول: إن ذلك ليس إليهم، و لا يمكنون منه بحال."[63]

ہمارے نزدیک یہی راے صحیح ہے اور اس کی تائید ان روایات سے بھی ہوتی ہے جن میں قرار دیا گیا ہے کہ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ آیاتِ براءت میں مذکور احکام کا خلاصہ چار جملوں میں بتا رہے تھے تو ان میں دو جملے یہ ہوتے تھے: "أن لا يقرب هذا البيت بعد هذا العام مشرك؛ و لا يطوف بالبيت عريان."[64] (کوئی مشرک اس سال کے بعد اس گھر کے قریب نہ آئے اور نہ کوئی اس گھر کا ننگے بدن طواف کرے۔) کئی روایات میں یہ تصریح بھی ہے کہ مشرکین اس سال کے بعد حج نہیں کر سکیں گے (أن لا يحج بعد العام مشرك) اور اسی بنا پر امام ابو بکر الجصاص الرازی مذکورہ آیت کی تاویل میں کہتے ہیں کہ مسجدِ حرام میں مشرکین کے داخلے کی ممانعت سے مراد ان کے حج پر پابندی تھی۔[65] یہ گویا اگلے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج سے قبل تطہیر کے عمل کا حصہ تھا۔

امام جصاص نے ایک اور احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ اگر مراد مسجد میں مجرد داخلے کی ممانعت ہی ہے، تو پھر یہ حکم ان مشرکین کے لیے خاص ہے جن کے اسلام یا تلوار کے سوا اور کوئی راستہ نہیں تھا، یعنی مشرکینِ عرب۔

---

۶۱ – نفس مصدر۔

۶۲– نفس مصدر۔

۶۳– نفس مصدر۔

۶۴– امام ابوعبداللہ محمد بن عمر فخر الدین الرازی، **مفاتيح الغيب** (بيروت: دار الفکر، ۱۴۰۱ھ /۱۹۸۱ء)، ۱۵ : ۲۲۶۔

۶۵– امام ابو بکر الجصاص الرازی، **أحكام القرآن**، ۴: ۲۷۹- ۲۸۰۔

"أن يكون النهي خاصًا في المشركين الذين كانوا ممنوعين من دخول مكة و سائر المساجد لأنهم لم تكن لهم ذمة، و كان لا يقبل منهم إلا الإسلام أو السيف، و هم مشركوا العرب."[٦٦] (کہ یہ نہی خاص ان مشرکین کے لیے ہو جن کا مکہ میں اور دیگر مساجد میں داخلہ ممنوع تھا، کیوں کہ ان کے ساتھ ذمہ کا معاہدہ نہیں ہو سکتا تھا اور ان سے اسلام یا تلوار کے سوا کچھ قبول نہیں کیا جا سکتا تھا، یعنی عرب کے مشرکین۔)

پچھلے مقالے میں بھی بعض اشارات دیے گئے تھے کہ سورۃ التوبۃ کی آیات اور متعلقہ احادیث میں بعض احکام کا تعلق صرف عرب مشرکین سے تھا۔ مزید تفصیل الگ مقالے کی متقاضی ہے۔

نتائجِ بحث

آخر میں اس مقالے میں پیش کی گئی تحقیق کے نتائج چند نکات میں یہاں پیش کیے جاتے ہیں:

۱۔ مصحف کی موجودہ ترتیب پر ترتیبِ نزولی کو کسی صورت بھی ترجیح حاصل نہیں ہے، البتہ کسی بھی سورت کے مضامین کے درست فہم کے لیے اس مخصوص پس منظر کو سمجھنا ضروری ہے جس میں اس سورت کا نزول ہوا ہو۔

۲۔ سورت کے پس منظر اور مخصوص سیاق کے تعین میں سورت کے داخلی شواہد کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور شانِ نزول کی روایات سے تعارض کی صورت میں ترجیح سورت کے اندرونی شواہد کو ہی حاصل ہوتی ہے جن کی روشنی میں شانِ نزول کی روایت کی تاویل کی جانی چاہیے۔

۳۔ سورۃ التوبۃ کی آیت ۵ میں حرمت کے مہینوں سے مراد معروف حرمت کے مہینے ہی ہیں، نہ کہ مشرکین کو دی جانے والی مہلت کے چار مہینے؛ چناں چہ سورۃ التوبۃ کی ان آیات کا نزول ۹ھ کے ذوالحجہ میں نہیں ہوا، جیسا کہ شانِ نزول کی روایات سے بظاہر مترشح ہوتا ہے، بلکہ شوال میں ہوا اور اس وجہ سے مشرکین کو دی جانے والی مہلت کے چار مہینوں کا اختتام بھی محرم کے اختتام کے ساتھ ہی ہوا۔

۴۔ جب مشرکین سے براءت کا اعلان کیا گیا تو یہ عمومی براءت تھی اور اسی لیے پہلی تین آیات میں تمام مشرکین مراد ہیں، خواہ ان کے ساتھ عام عہد (العهد العام) ہوا تھا، یا خاص الگ الگ معاہدات

۶۶۔ نفس مصدر، ۴: ۲۷۹۔

(العهد الخاص)، اور خواہ معاہدہ مؤقت ہوا تھا یا غیر موقت ۔ البتہ چوتھی آیت میں ایک جزوی استثنا ان قبائل کو دیا گیا جن کے ساتھ موقت معاہدہ ہوا تھا اور انھوں نے عہد شکنی نہیں کی تھی۔ اعلان براءت کے لازمی تقاضے کے طور پر پانچویں آیت میں مشرکین کے خلاف لڑنے کا حکم دیا گیا، البتہ ایک اور جزوی استثنا چھٹی آیت میں ان افراد کو دیا گیا جو مسلمانوں کی پناہ میں آنے کی درخواست دیتے۔

۵- مشرکین کے خلاف اس عمومی اعلانِ جنگ کے بعد اس بات کی بھی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ آئندہ مشرکین حرمت کے مہینوں میں لڑنے کی ممانعت کی آڑ لے سکیں کیوں کہ یہ ممانعت جو طائف کے محاصرے کے موقع پر پہلے ہی اٹھائی جا چکی تھی، اب اس کے نسخ پر مزید مہرِ تصدیق ثبت کر دی گئی۔ مشرکین کے خلاف اعلانِ جنگ صرف ان کے خلاف لڑنے تک محدود نہیں تھا، بلکہ مسجدِ حرام اور کسی بھی دوسری مسجد پر ان کے غلبے اور تسلط کی ہمیشہ کے لیے ممانعت بھی کر دی گئی، البتہ اگر مسلمان مناسب سمجھیں تو غیر مسلموں کو مساجد میں آنے کی اجازت دے سکتے ہیں بشرطے کہ وہ وہاں مسلمانوں کے قانون کی خلاف ورزی نہ کریں۔

هذا ما عندي، و العلم عند الله !